رحمۃ اللہ علیہ

حیاتِ ابو اسحٰق شیرازی

یعنی

نظامیہ کالج (مدرسہ نظامیہ) بغداد کے سب سے پہلے پرنسپل (مدرس اعلیٰ)
علامہ شیخ جمال الدین ابو اسحٰق ابراہیم شیرازی کی مختصر سوانح عمری

جسے

مولوی علی محمد و اللہ مل تاجران کتب لوہاری دروازہ لاہور نے

سنہ ۱۹۰۴ء

نولکشور گیس پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوایا

قیمت ۳؍

قابل دید نئی سوانح عمریاں

	قیمت
۱- حیات امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ (سب سے پہلے قاضی القضاۃ)	۳ر
۲- حیات ابن سیرین علیہ الرحمۃ (خواب کی تعبیر بتانے میں کامل بزرگ)	۲ر
۳- حیات ابن جوزی علیہ الرحمۃ (ابوالفرج عبدالرحمن ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ استاد شیخ سعدی علیہ الرحمۃ)	۳ر
۴- حیات ابو اسحق شیرازی علیہ الرحمۃ (مدرسہ نظامیہ بغداد کے پہلے پرنسپل)	۳ر
۵ حیات ابن صائغ اندلسی علیہ الرحمۃ (ہسپانیہ کے بہت بڑے حکیم وفلسفی اور طبیب)	۱ر
۶- حیات ابوحیان غرناطی علیہ الرحمۃ (ہسپانیہ کے سب سے بڑے نحوی)	۱ر
۷- حیات ابن سمعون علیہ الرحمۃ (بغداد کے بہت بڑے واعظ)	۲ر
۸- حیات ابوبکر خطیب بغدادی علیہ الرحمۃ (علم حدیث کے بہت بڑے حافظ)	۲ر

ان کے علاوہ

بہت سے ہندو مسلمان اور سکھ ناموروں کی سوانح عمریاں بھی تالیف ہو رہی ہیں

یہ سب کتابیں

قومی ترقی کے دلدادہ نیک مردوں کے پڑھنے قابل ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ تمہید

شیخ جمال الدین ابو اسحٰق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی۔ خاک پاک شیراز نے جہاں حافظ کا ایسا غزلسرا اور سعدی کا ایسا شاعر غرّا اور ناصح پیدا کیا وہاں ابو اسحٰق کا ایسا ایک عالم بھی اسلامی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ جسکی شہرت مقبولیت اور علمی وقعت دنیائے علم کو ہمیشہ اُس کا احسانمند بنائے رکھے گی۔ اکثر علما کسی خاص فن اور خاص علم میں ناموری حاصل کرسکے ہیں مگر علامۂ ابو اسحٰق کو خدا نے ہر علم میں ایسا تبحر عطا کیا تھا کہ ہر طبقہ کے اہل کمال مقتدائی کا مسند آج تک اُن مرحوم کے لئے خالی کردیتے ہیں۔ یوں تو اُن کا شمار فقہائے شافعیہ میں ہے لیکن اصل میں وہ ہر فن کے مرد میدان ہیں۔ متکلمین انکی دقت نظر اور خیال آفرینی کے والہٗ و شیدا ہیں۔ محدثین اپنے قدیم اور مستند شیوخ میں شمار کرتے ہیں جن کی روایت عموماً بے کسی قسم کی جرح کے تسلیم کرلی گئی ہے اور جن پر روایت کا مدار ہے۔ اصول فقہ کے متعلق علامۂ ابو اسحٰق نے اپنی تصانیف میں جو کچھ لکھدیا ہے اُس سے اہل اصول آج تک نفع اٹھارہے ہیں۔ اہل فقہ نے بھی نہایت ذوق و شوق اور فخر و عزت کے ساتھ اُن کے اجتہاد اور استخراج مسائل کا تتبع کیا ہے اور سب پر طرّہ یہ کہ صوفیۂ کرام اُن بزرگ کو اپنے مشائخ اور اہل دل ائمہ میں تسلیم کرتے ہیں۔ علامۂ ابو اسحٰق نے جس طرح اپنے ظاہر کو زیور علم و فضل سے آراستہ کیا تھا اسی طرح باطن کو بھی سلوک کی ریاضتوں سے پیراستہ بنالیا تھا۔ وہ فقیری کی گدڑی پہن کے مسند علم پر جلوہ افروز ہوئے تھے

تمام مصنفوں نے اپنی کتابوں کے اوراق کو علامۂ ممدوح کے اوصاف سے زیب و زینت دی ہے۔ اور بڑے بڑے معتبر و مستند مورخین اُنکی مدح سرائی اپنا فخر سمجھتے رہے

ہیں۔ کتاب مستظہری کے مصنف نے کیا خوب جملہ لکھا ہے۔ شیخنا ابو اسحٰق حجۃ علے ائمۃ العصر (ہمارے شیخ ابو اسحٰق زمانے بھر کے ائمہ کے لئے حجت ہیں) موفق حنفی نے اس سے بھی بڑھ کے لکھا ہے" الشیخ ابو اسحٰق امیر المومنین فیما بین الفقہاء" (شیخ ابو اسحٰق تمام فقہا میں وہ حیثیت رکھتے ہیں جو کوئی بادشاہ اپنی رعایا میں رکھتا ہو) محب الدین بن نجار نے اپنی تاریخ بغداد میں اس امام علوم کی شان میں جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ" علامہ ابو اسحٰق علماء شافعیہ کے امام تھے اور وہ شخص تھے کہ اُنکے علم و فضل کا شہرہ دور دور کے شہروں میں پھیل گیا اور یہ حیثیت علم و زہد اپنے تمام ہمعصروں پر سبقت لے گئے۔ بہت سے ممالک کے اکثر علما انکے شاگرد ہیں۔ ان چند جملوں سے علامۂ ابو اسحٰق کے ایسے یکتائے عصر کے فضائل نہیں ظاہر ہو سکتے۔ وہ تمام کتابیں جنکے مصنفوں کو دنیا نے اعتبار اور استناد کے خلعت دئے سب اُنکے تذکرۂ کمالات اور علوم سے بھری پڑی ہیں۔

۲۔ ولادت وطن اور تحصیل علم

خراسان کے شہر فیروز آباد کو یہ فخر حاصل ہُوا کہ اُسکے سواد میں سنہ ۲۹۳ھ یا سنہ ۲۹۵ھ یا سنہ ۲۹۶ھ میں (علی اختلاف الروایات) علامۂ ابو اسحٰق پیدا ہوئے بچپن کا زمانہ اسی شہر میں گذرا۔ یہ نہیں معلوم کہ انھوں نے ماں باپ کے دامن تربیت میں وہاں کہاں تک تعلیم پائی۔ اور اُن کی وہ ابتدائی زندگی کیونکر گذری۔ مگر خود انہیں کے دل میں علم کا ذوق و شوق جوش مار رہا تھا جس نے وطن مالوف میں نہ رہنے دیا۔ پندرہ سولہ برس کی عمر ہوئی ہوگی کہ سنہ ۴۱۰ھ میں صرف بغرض تحصیل علم فیروز آباد چھوڑ کے دار العلم شیراز میں آگئے۔ جو اُن دنوں علم و فضل کا بڑا مرکز تھا۔ اور جسکی کشش نے آخر اُنہیں اپنا بنا لیا۔ شیراز کا ہر ہر گلی کوچہ دولت علم سے مالا مال تھا۔ ابو اسحٰق کو اپنے شوق کے مناسب یہ ایسا شہر مل گیا کہ ذوق علم نے ہر گلی کوچہ میں پھرایا اور ہر دروازے پر پہونچایا۔ وہاں جتنے علما تھے سب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سب کی صحبت سے فائدہ اٹھایا۔ مدتوں اُس ممبر کے نیچے بیٹھے رہے جس پر ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بیضاوی بیٹھ کے درس دیا کرتے تھے۔ اور ایک عرصہ تک ابو احمد عبد الوہاب رامین کے حلقہ درس میں شریک

ہوتے رہے۔ جب ابواسحق کو استخراج مسائل اور اصول فقہ کے دلائل شرعیہ سے خوب واقفیت ہو گئی تو انھوں نے اپنے آپ کو مدرسین اور اساتذۂ شیراز اور وہاں کے فقہا کی صحبت سے مستغنی پایا۔ مگر آتش شوق کی حدت ابھی تک بدستور تھی۔ آخر اس نے شیراز بھی چھڑا دیا۔ اور وہاں سے روانہ ہو کے بصرے میں پہنچے۔ ایک عرصہ تک اُس شہر میں قیام رہا اور ابن خوزی کی محفل درس میں برابر بلاناغہ شریک ہوتے رہے۔ زمانہ قیام بصرہ میں ابواسحق معمولاً مشکل مسائل ابن خوزی کے سامنے پیش کر کر کے حل کرتے تھے۔ اور اپنے دل کے خیالوں کو شبہات وغیرہ سے صاف کیا کرتے تھے۔ اُنکی جستجو نے بصرے کے علمی خزانے بھی چھان ڈالے مگر شوق علم بدستور باقی تھا تو بصرے کو بھی چھوڑا اور دارالسلام بغداد کی راہ لی

۴۱۵ھ میں بغداد پہنچے۔ بغداد کی علمی شہرت اُس عہد میں اس انتہائی درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ تمام دنیا کا مرجع بنگیا تھا۔ اور کون علم و فن تھا جسکے باکمال سواد اعظم بغداد میں مجتمع نہ تھے۔ بغداد میں اگرچہ طالب علمی نے علامۂ ابواسحق کو بہت سے مصائب سے دوچار کرایا۔ مگر انکے ذوق و شوق کو فرو کرنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ ہر استاد کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا۔ اور ہر عالم کے فیض صحبت سے فائدہ اٹھایا۔ یہ معمول تھا کہ ابواسحق اپنے اساتذہ سے روز جو کچھ حاصل کرتے تھے اُس کو گھر جا کے بالالتزام سو بار تکرار کرتے تھے۔ یوں تو علامۂ ممدوح نے بغداد کے اکثر اساتذہ کی صحبت اور تعلیم سے فیض اٹھایا مگر خاص جس فخر بغداد اہل کمال کے دامن تعلیم میں ترقی کر کے وہ رتبہ مرجعیت اور مقبولیت کو پہنچے وہ قاضی ابوالطیب طبری ہیں

علامۂ ابواسحق کو شاید قاضی طبری کے ساتھ زیادہ حسن عقیدت تھا۔ اس لئے کہ حاضر ہونے کو تو وہ ہر ایک کی محفل فیض میں حاضر ہوئے مگر جس التزام اور سرگرمی کے ساتھ اُنھوں نے قاضی طبری کی صحبت سے نفع اٹھایا وہ کوشش اور کسی کی خدمت میں نہیں کی۔ خود علامۂ ابواسحق کو بھی اس کا اعتراف ہے

یافعی اپنی تاریخ مرآۃ الجنان میں لکھتے ہیں کہ علامۂ ابواسحق نے اپنی تاریخ طبقات الفقہا میں اپنے اساتذہ میں سے دس متبحر علما کے نام بتائے ہیں۔ مگر اُن میں بھی جسکے تلمذ پر انھوں نے فخر کیا ہے اور جس کی خدمت بابرکت سے زیادہ فیض اٹھانے کا

اعتراف کرتے ہیں وہ وہی قاضی ابو الطیب طبری ہیں۔ بلکہ تاریخ ابن خلکان کے دیکھنے سے اسکی اور تصریح ہوتی ہے اسلئے کہ اُس مورخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو اسحٰق عرصہ تک نیابۃً قاضی طبری کی طرف سے اُنکے تلامذہ اور شاگردوں کو درس دیا کرتے تھے۔ اور اکثر اوقات خود قاضی صاحب کی تقریر تلامذہ کے سامنے بیان کردیا کرتے تھے

۳۔ تحصیل علم سے فراغت اور شیخ قوم بننا

آخر شوق علم میں یہ سرگرمیاں اور ایسی جفاکشیاں ظاہر کرنے اور ایسے دور و دراز کے سفر اختیار کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اکثر علوم میں بخصوص فقہ۔ اصول فقہ۔ حدیث۔ کلام اور تصوف میں کمال حاصل ہو گیا۔ اور طالب علمی کے درجہ سے گذر کے مذہب شافعی کے اعلیٰ رکن بن گئے۔ زمانے نے اُنکے کمالات کو تسلیم کرلیا۔ ایک طرف تو فقہا اور طلبہ کے قافلے اُن کے فیض صحبت سے نفع اٹھانے کے لئے اور دوسری طرف صوفیۂ کرام اور اہل ذوق پاکبازان فقر و تصوف کے گروہ اُنکے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے کے واسطے چلے آتے تھے۔ اُن کا دروازہ ایک عالم کا مرجع بن گیا

افسوس قدیم مورخوں نے گذشتہ ناموروں کی سوانح عمری بیان کرتے وقت اُن کا حلیہ بتانے کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ اور اسی وجہ سے ہم اپنے احباب کو علامۂ ابو اسحٰق کی تصویر نہیں دکھا سکتے۔ بغداد کے ایک شاعر عاصم کا خدا بھلا کرے کہ اُس نے علامۂ ممدوح کی مدح سرائی میں دو شعروں کے ذریعہ سے اتنا بتا دیا ہے کہ وہ بہت دبلے پتلے اور نحیف الجثہ شخص تھے۔ وہ کہتا ہے ؎

"تراہ من الزکاء نحیف جسم — علیہ من توقدہ دلیل
اذا کان الفتے ضخم المعانی — فلیس یضرہ الجسم النحیل"

یعنی دبلا پتلا ہونا اسکی دلیل ہے کہ اشتعال ذکاوت نے اُنہیں گھلا دیا۔ اور جبکہ انسان علماً اور معنےً عالی رتبہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر وہ نحیف و ناتوان ہے علامۂ ابو اسحٰق کو اپنی مقبولیت عامہ کے علاوہ ایک حیثیت سے فخر بھی حاصل تھا کہ کسی حد تک بلکہ بہت کچھ وہ اپنے اوپر خود ہی ناز کرسکتے تھے۔ سمعانی نے خود علامۂ ممدوح سے روایت کی ہے کہ وہ لکھتے ہیں ایک مرتبہ میں نے عالم مشاہدہ میں

جمال پاک حضرت رسالت پناہ صلوات اللہ علیہ وآلہ کی زیارت کی۔ اُس وقت
اصحاب کبار میں سے دس جلیل القدر شخص بھی آنحضرت کی خدمت میں حاضر تھے
آنحضرت کی صورت پاک دیکھتے ہی ایک بیتابانہ شوق سے جھپٹ کے میں قریب گیا اور
عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کی بہت سی احادیث بذریعہ
صحابہ وتابعین مجھ تک پہنچی ہیں اور میں نے اُنکے ذریعہ سے اپنے سینہ ودل کو
بہت کچھ نورانی بنالیا ہے اور اُن اخبار واحادیث کو اہل اسلام میں پھیلانے اور
رواج دینے میں میں نے انتہا سے زیادہ تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ اپنے
سر سے میں نے یہ فرض بھی ادا کردیا ہے کہ آپ کے عشاق اور آپ کے کلام کے مشتاقوں
کو میں نے اخبار وروایات کی اجازت روایت دیدی۔ اب آرزومند ہوں کہ خاص
آپ کی زبان فیض ترجمان سے بے واسطہ کوئی حدیث سنوں اور اُسکو روایت کرکے
عالم میں خاص امتیاز کا مستحق قرار پاؤں۔ اگر یہ فخر مجھے حاصل ہوا تو مجھے دیگر مورخین
کے مقابل میں اپنے اوپر زیادہ ناز کرنے کا موقع ملیگا۔ جناب رسالت مآب صلعم نے
میری التجا وزاری سنکے میری طرف توجہ کی اور یہ کلمات ہدایت آیات ارشاد فرمائی
یا شیخ من اراد السلامۃ فلیطلبھا فی سلامۃ غیرہ منہ" اے شیخ جو کوئی بھلائی اور
سلامتی چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ سب کو اپنے سے خوش رکھے اور کسی کو بھی آزردہ
نہ کرے۔ مورخین کا بیان ہے کہ علامۂ ابو اسحق جب تک زندہ رہے اس خواب کو
یاد کرکے خوش ہوتے تھے اور اس امر پر فخر کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے مجھے
"شیخ" کے لفظ سے یاد فرمایا

۴۔ مدرسہ نظامیہ بغداد کا مدرس اعلےٰ مقرر ہونا

علامۂ ابو اسحق اگرچہ بغداد میں بطور طالب علمی کے اور صرف بغرض تحصیل علم آئے
تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ خاک دار السلام بغداد نے اُس فاضل یگانہ کے قدم اس
مضبوطی سے پکڑے کہ اُن کو پھر اپنے وطن میں جاکے قیام کرنے کی نوبت نہ آئی اسلئے
کہ اُنکی زندگی کے واقعات عموماً بغداد ہی سے متعلق ہیں۔ سلطان ملک شاہ کے
مشہور وزیر خواجہ نظام الملک کو علامۂ ممدوح کے ساتھ انتہا سے زیادہ حسن عقیدت

تھا۔ ۴۵۹ھ میں جب وزیر موصوف نے عالی شان مدرسہ نظامیہ کھولا جسکی شہرت آجتک دنیا کو ایک حیرت و استعجاب کا تماشا دکھاتی ہے تو علامۂ ابواسحق ہی کو اُس کی پروفیسری کے لئے منتخب کیا

جس تاریخ مدرسہ نظامیہ کھلنے والا تھا اُس روز بغداد میں بہت بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ مدرسہ کے تمام لوگ اور طلبہ تمام اطراف وجوار سے آکے جمع ہوئے۔ خاص ارکان سلطنت اور امرائے بغداد میں سے بہتوں نے صرف اسلئے کہ رسم افتتاح نہایت شان وشوکت سے ادا ہو طلبہ اور شائقان علوم میں اپنا نام لکھوادیا۔ علاوہ بریں کل ارکان دولت اہل مناصب اور امرائے بغداد اس کار خیر کو بخیر وخوبی انجام دینے کے لئے جمع ہوگئے تھے۔ یہ سب لوگ مدرسہ کے دروازے پر اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ علامۂ ابواسحق آئیں تو اُن کو ہاتھوں ہاتھ لیں اور اُس منبر پر بٹھائیں جو پروفیسر کے لئے بنا کے مدرسہ میں رکھا گیا تھا۔ اس انتظار میں بہت دیر ہوگئی اور لوگ بیٹھے بیٹھے اکتانے لگے مگر علامہ ممدوح نہ آج آتے ہیں نہ کل۔ آخر مایوس ہوکے سب لوگ کہنے لگے معلوم ہوتا ہے شیخ ابواسحق اس عہدے کو قبول کرنا اپنے لئے باعث ننگ اور اپنے خیال میں مکروہ سمجھے۔ جب یقین ہوگیا کہ اب وہ نہ آئینگے تو ابومنصور بن یوسف اور عمید ابوسعد نے جن کے اہتمام وانتظام سے مدرسہ تیار ہوا تھا باہم مشورہ کرکے یہ قرار دیا کہ علامۂ ابواسحق نہیں منظور کرتے ہیں تو اس کام پر امام ابونصر بن صبّاغ کو جو علامۂ ممدوح کے معاصر تھے اس مسند اقتدائی پر لاکے بٹھائیں اور تعلیم ودرس کا کام اُنکے سپرد کردیں۔ اس رائے کے قرار پاتے ہی ابن صبّاغ طلب کرلئے گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو لوگ آج پہلے ہی روز بے درس کے چلے جائیں۔ اگرچہ امام ابونصر ابن صبّاغ نے آنے میں بہت کچھ عذر وانکار کیا مگر ابومنصور نے اُنکو اطمینان دلایا اور وعدہ کیا کہ نظامیہ کی پروفیسری ہمیشہ انہیں کے متعلق رہیگی۔ اور وہ اس منصب سے کبھی نہ ہٹائے جائینگے۔ ابونصر نے مدرسہ نظامیہ میں افتتاح کے دن درس دیا لوگونکو حیرت ہوگی کہ علامۂ ابواسحق نے کیوں حاضری سے روپوشی کی۔ اُنکو اطلاع کردی گئی تھی۔ اور اُن سے مضبوط وعدہ لے لیا گیا تھا وقت معین پر نظامیہ میں جانے کے لئے وہ اپنے گھر سے بھی نکلے مگر تھوڑی ہی دور گئے ہونگے کہ راہ میں ایک لڑکا اُنکے

سامنے آیا اور کہنے لگا "ایہا الشیخ کیف تدرس فی مکان مغصوب" یعنی صاحب آپ ایک غصبی مقام میں کیونکر درس دینگے۔ اتنا سُننا تھا کہ علامۂ ممدوح وہیں سے پلٹ پڑے۔ اور ایک مخفی مقام میں چھپ کر بیٹھ رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو مجھے مجبوراً وہاں جانا پڑے۔ دوسرے روز جب معلوم ہو گیا کہ امام ابو نصر نے نظامیہ میں درس دیا تو اطمینان سے اپنی خاص مسجد میں جو باب المراتب میں تھی بیٹھ کے اپنے شاگردوں کو درس دیا اور قصد کر لیا کہ اپنے شاگردوں اور تلامذہ کو وہیں جمع کر کے درس دیا کریں۔ مگر انکے تلامذہ بھی اُنکی اس کارروائی سے ناراض ہو گئے تھے۔ اکثروں نے شیخ ابو اسحق کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ اپنے اس ارادے پر قائم رہینگے تو ہم سب آپ کو چھوڑ کے ابن صباغ کی شاگردی اختیار کر لینگے

اُدھر جب وزیر نظام الملک کو یہ خبر پہونچی کہ علامۂ ابو اسحق کے نہ آنے کی وجہ سے ابو نصر ابن صباغ نے نظامیہ میں درس دیا تو وہ نہایت ہی برہم ہوا اور سارا الزام عمید ابو سعد پر رکھ کے کہنے لگا کہ چونکہ اُس کو قدیم سے شیخ ابو اسحق کے ساتھ مخالفت اور عداوت ہے اس وجہ سے اُس نے ابو اسحق کو محروم کر کے ابن صباغ کو نظامیہ کا پروفیسر مقرر کر دیا۔ عمید ابو سعد نے یہ عتاب آمیز کلمات سُنے تو اُس سے سوا اسکے اور کچھ نہ بن پڑا کہ علامۂ ممدوح کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور نہایت اور گریہ وزاری کے ساتھ عرض کیا کہ وزیر نظام الملک کے میری نسبت یہ خیالات ہیں۔ اگر آپ میری التجاؤں کو نہ سنینگے تو وزیر نظام الملک غضب آلود ہو کے میرے مال ہی پر اکتفا نہ کریگے بلکہ میری جان کو بھی اُنکے ہاتھ سے ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا میرے حال پر ترس کھائیے اور نظامیہ کی مدرسی قبول فرمائیے۔ آپ کے تشریف لے چلنے سے خواجہ نظام الملک اور تمام متعلقین مدرسہ اور کل شائقین علوم کو بڑی خوشی اور مسرت ہو گی۔ یہ باتیں سنکے علامۂ ابو اسحق دیر تک غور کرتے رہے۔ اور رحم نے دل میں ایسا جوش مارا کہ اس عہدے کو قبول کر لیا۔ ابن صباغ نے بیس دن تک درس دیا تھا کہ علامۂ ممدوح نے قبول کر لیا۔ اور اکیسویں روز جا کے مدرسہ نظامیہ میں درس دیا۔ ان کے جانے کی نظام الملک کو اتنی خوشی ہوئی کہ عمید ابو سعد کا احسانمند اور شکرگزار ہوا۔ مگر یہ ضرور ہے کہ علامۂ ابو اسحق کو مدرسہ نظامیہ کی بعض چیزوں

کے مغضوب ہونے کا یقین تھا اور یہ خیال آخر تک انکے دل میں رہا۔ جس کا یہ نتیجہ تھا کہ نماز اُس مدرسہ میں کبھی نہ پڑھی نماز کا وقت آیا اور وہ مدرسے کے صحن سے نکل گئے۔ نظامیہ کے قریب ایک اور مسجد تھی اُس میں جا کے نماز ادا کیا کرتے تھے

۵۔ شیخ کی قبولیت عامہ کی شان اور معاملات سلطنت میں انکے کارہائے نمایاں

خلیفہ کا تقرر انکی رائے سے

علامۂ ابو اسحق نے جو وقعت اور عزت ہر دل میں پیدا کر لی تھی وہ کسی اور عالم کی نسبت شاید بہت کم سنی گئی ہوگی۔ واقعی انکی مقبولیت عام کے وقائع ایسے ہیں کہ انسان حیرت میں رہ جاتا ہے۔ خلیفہ بغداد قائم بامر اللہ عباسی نے جب جہان فانی سے کوچ کیا تو اُسکے بعد دوسرا خلیفہ تجویز کرنے میں بڑی دقتیں پیدا ہوئیں۔ تمام اہل بغداد نے متفق اللفظ کہدیا کہ علامۂ ابو اسحق جس کسی کو تجویز کریں۔ اُسکے ہاتھ میں خلافت دی جائے۔ علامۂ ابو اسحق کو اگرچہ انتظام ملک میں کوئی دخل نہ تھا مگر دنیا میں جس فساد کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا اُسکے خوف سے اُنہوں نے لوگوں کی خواہش کے بموجب خلیفہ تجویز کرنے کا بار اپنے سر پر اٹھا لیا۔ اور مقتدی بامر اللہ کو خاندان بنو عباس میں سب سے زیادہ لائق اور راستباز خیال کر کے تجویز کر دیا۔ مقتدی کو اصل میں پوچھئے تو علامۂ ممدوح ہی نے خلیفہ بنایا۔ ان کی تجویز کو سب نے تسلیم کیا اور روز جمعہ ۱۳۔ شعبان ۴۶۷ھ میں مقتدی بامر اللہ نے سفید لباس پہنا۔ سفید عمامہ سر پر باندھا اور مقام دار الشجرہ میں سریر خلافت پر جلوہ افروز ہوا۔ سب سے پہلے ابو جعفر ابو موسے حنبلی نے بیعت کی۔ اور بیعت کرتے وقت ایک قدیم شعر کا پہلا مصرع اذا سیدٌ منا مضی قام سیدٌ پڑھا۔ مگر دربار کے رعب وداب نے کچھ ایسا خوف طاری کر دیا کہ دوسرا مصرع بھول گئے۔ مقتدی بامر اللہ سمجھ گیا کہ دوسرا مصرع یاد نہیں اُس نے خود پڑھ دیا۔ مقتدی بامر اللہ کی اس بات نے پہلی ہی صحبت میں تمام اہل دربار کو اُس کا دلدادہ اور شیدا بنا دیا اور گویا زبان حال سے علامۂ ابو اسحق کے انتخاب کی داد دی۔ اُسکے بعد مؤید الملک ابن نظام الملک فخر الدولہ اور

اُن کے بیٹے عمید الدولہ نے اعیان و اشراف بغداد میں سے بیعت کی۔ پھر علما اور مشائخ میں سے شیخ ابو اسحٰق شیرازی۔ شیخ ابو نصر صبّاغ اور شیخ ابو محمد حنبلی نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا

مقتدی بامر اللہ کو خلافت کے لئے منتخب کرنے میں علامۂ ممدوح نے کچھ ایسی نیک نیتی اور انصاف پسندی سے کام لیا تھا کہ شہر بغداد میں ہر شخص ان کا مدح خوان بن گیا۔ شعرا نے توصیف میں قصائد اور مختلف اشعار کہے اور اپنی طبع آزمائیوں کے جوہر دکھائے

سفارت خراسان میں بھیجا

ابن اثیر اور دیگر مورخوں نے لکھا ہے کہ اسی مقتدی بامر اللہ کو ابو الفتح بن ابی اللیث سے جو عمید عراق کے لقب سے مشہور تھا دل میں کچھ ملال تھا۔ اس ملال نے زیادہ طول کھینچا اسلئے کہ اُسکے ہاتھوں مقتدی کے ملازمان دولت اور متعلقین کو برابر رنج اور صدمہ پہنچتا تھا۔ اور وہ اُن لوگوں کے آزار کے درپے ہو گیا تھا۔ مقتدی کو آخر کار یہی بن پڑا کہ سلطان ملک شاہ سلجوقی اور اُسکے وزیر نظام الملک سے خط و کتابت کی جائے اور کسی ہوشیار اور لائق شخص کے ذریعہ سے سلطان مذکور کے مستقر خاص شہر نیشاپور میں سفارت بھیجی جائے۔ اسلئے کہ ابو الفتح بن ابی اللیث اُسی کے متعلقین میں سے تھا۔ سلطان ملک شاہ کی بیٹی مقتدی بامر اللہ کے عقد میں تھی۔ اور مشہور ہے کہ یہ شادی جس دھوم دھام سے ہوئی تھی ویسی دھوم دھام اہل بغداد نے اور کسی عہد میں نہیں دیکھی تھی۔ الغرض تجویز کیا جانے لگا کہ اس سفارت پر کون شخص مامور کر کے نیشاپور روانہ کیا جائے۔ سب نے متفق اللفظ ہو کر کہا علامۂ ابو اسحٰق اگر قبول کریں تو اس کام کو اُن سے زیادہ اور کوئی شخص حسن و خوبی کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ خلیفہ مقتدی نے بھی اس رائے کی تائید کی۔ اور علامۂ ممدوح کی خدمت میں آدمی بھیجا گیا کہ وہ محل سلطانی میں تشریف لائیں۔ اور خود خلیفہ بالکل تنہا اُن سے مل کے قبول سفارت کی درخواست کرے اور اغراض سفارت بھی بخوبی سمجھا دے۔ علامۂ ابو اسحٰق کے آنے سے پہلے ہی سب لوگ ہٹا دئے گئے۔ خلوت میں خلیفہ نے اُن سے ملاقات کی۔ اور کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ اس وقت میری مدد کریں اور عہدۂ سفارت کو قبول فرمائیں

یافعی نے اس موقع پر ایک ایسا واقعہ لکھا ہے کہ سنکے سب لوگوں کو حیرت ہوجائیگی بلکہ یہ روایت قابل قبول بھی نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ اول تو ثبوت ہی نہیں پہونچتا ثانیاً یہ کہ عقل سے بھی بعید معلوم ہوتا ہے وہ لکھتا ہے کہ جیسے ہی خلیفہ مقتدی نے اپنی طرف سے سفیر مقرر کرنے کا نام لیا ابو اسحق نے بخیال احتیاط کہا "مجھے ایک سلطنت میں پیغام لیجانا ہے تو پہلے اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ خود آپ ہی خلیفۂ وقت مقتدی بامر اللہ ہیں اسکی تصدیق ہوجانے کے بعد اتب سفارت ملے ہونگے میں بالکل نہیں جانتا کہ اصل میں آپ ہی امیر المومنین ہیں یا کوئی اور ہے۔ اسلئے کہ میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا ہے" یہ کلمہ سنکے مقتدی ہنسا اور شیخ کی یہ احتیاط اُسے بہت پسند آئی۔ فوراً مقربان خلافت میں سے چند معتبر اور مستند آدمیوں کو بلایا جنکو علامۂ ابو اسحق بھی پہچانتے تھے اور اُن سے درخواست کی کہ میرے امیر المومنین ہونے کی تصدیق کرو۔ اُن سبھوں نے شہادت دی اور مقتدی کے خلیفہ ہونے کا یقین دلایا

بایں ہمہ اس روایت کا غیر معتبر ہونا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود شیخ ہی نے مقتدی کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ اور تخت نشینی کے روز اُسکے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اُسے پہچانتے نہ ہوں۔ بہر حال شیخ ابو اسحق نے سفارت قبول کی۔ اور [illegible] میں دار السلام بغداد سے بقصد نیشاپور روانہ ہوئے۔ اس سفر میں بغداد کے بہت سے علما و فضلا اور ارکان دولت بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ یہ مقدس اور محترم قافلہ نہایت شان و شکوہ کے ساتھ بغداد سے نکلا۔ اور بڑی شان و احترام کے ساتھ ممالک عجم میں قطع منازل کرتا روانہ ہوا

سفر ایران کی کیفیت

علامۂ ابو اسحق نے بحیثیت علم جو مقبولیت عام حاصل کر لی تھی اور تمام دنیاے اسلام میں وہ جس وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اُس کا حال اُنکے اس سفر کے حالات سے معلوم ہوسکتا ہے۔ ہمارے ہم عصروں نے موجودہ زمانے کے بڑے بڑے ریفارمروں اور گلیڈ سٹون کے سے پولیٹیشنوں کے سفر اور وہ بھی انگلستان کی سی مہذب پرجوش و تعلیم یافتہ رعایا میں دیکھے ہونگے اب وہ دیکھیں کہ ایک گوشہ نشین زاہد اور ایک مدرسہ کے اعلے مدرس نے آج سے

آٹھ سو برس پہلے جب دنیا اس ترقی سے بہت پیچھے تھی جو سفر کیا تھا اُس میں عام لوگوں نے کس جوش و خروش سے اُس کا استقبال کیا

تاریخ الفی کے مصنف صاحب لکھتے ہیں کہ شیخ ابواسحق جس شہر اور قصبہ کے قریب پہونچتے تھے اُس گاؤں یا شہر کے تمام لوگ کیا چھوٹے کیا بڑے اور کیا مرد کیا عورت سب کے سب اُن کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکل آتے تھے شیخ کو اپنے جھرمٹ میں لے کے اور گرد ہجوم کرکے بڑے تزک و احتشام سے اپنے شہر میں داخل کرتے تھے۔ اللہ اللہ حسن عقیدت کا جوش و خروش اس درجہ بڑھا ہؤا تھا کہ ہر شخص بڑھ بڑھ کے قدم چومتا تھا۔ اور اُنکے خچر کے پاؤں کے نیچے کی خاک کو لوگ بڑے ذوق و شوق سے اٹھا لیتے تھے۔ اور تیمناً و تبرکاً اپنا حرز جان بناتے تھے۔ شیخ کی سواری جب شہر کے بازاروں میں گذرتی تھی تو اہل بازار اور مختلف پیشہ والوں کو جو کچھ توفیق ہوتی تھی لے کے آتے تھے اور شیخ پر نثار کرتے تھے کہتے ہیں کہ جب شیخ کا گذر شہر سادہ کے بازاروں میں ہؤا تو پہلے نان بائیوں کی دکانیں ملیں فرط شوق میں وہ ایسے خود رفتہ ہو گئے کہ سبھوں نے روٹیاں اُچھال اُچھال کے لٹانا شروع کردیں شیخ ابواسحق محفہ میں (ایک قسم کی فنس ہے) بیٹھے تھے وہ روٹیاں ان کی ڈولی پر برابر آ آکے گرتی تھیں۔ آگے بڑھے تو میوہ فروشوں کی دکانیں تھیں اُنھوں نے اپنے میوے لٹا دئے۔ اس کے آگے سب حلوائیوں کا بازار تھا۔ اُنھوں نے انواع و اقسام کی مٹھائیاں جو اُن کے سامنے رکھی تھیں سب اچھال کے لٹا دیں۔ شیخ ان باتوں سے برابر اہل شہر کو منع کرتے جاتے تھے مگر اُن کے روکنے سے اُن کا جوش اور ترقی کرتا جاتا تھا۔ تمام بازاروں میں عوام کے جوش و خروش کا یہی حال رہا۔ یہاں تک کہ شیخ کا گذر موچیوں اور جوتے والوں کی دُکانوں پر ہؤا۔ علامۂ ابواسحق کی صورت دیکھتے ہی وہ لوگ ایسے بیہوش ہوگئے کہ اور کوئی چیز پاس نہ تھی فرط محبت میں جو کچھ سامنے رکھا تھا اٹھا اٹھا کے لٹانے لگے اور تمام جوتے اچھال اچھال کے صدقے کر دئے۔ چھوٹی چھوٹی خوبصورت اور کامدار زیر پائیاں شیخ کے ہمراہیوں اور خود شیخ کی ڈولی کے گرد اس قدر آ آ کے گریں کہ بیان سے باہر ہے۔ یہ تمام باتیں سب عوام کے بے تابانہ اور بے اختیارانہ جوش

کو ظاہر کر رہی ہیں۔ جس سے زیادہ جوش شاید اور کسی کے استقبال میں دنیا نے ظاہر کیا ہوگا۔
شہر سادہ کے علماء فضلا میں ہر عالم اس امر کا متمنی تھا کہ شیخ اُسی کے مکان پر قیام فرمائیں
سب خدمت میں حاضر ہوئے اور ہر شخص نے عرض کیا کہ اگر آپ میرے غربت کدہ پر قدم رنجہ
فرمادیں تو میرا سر افتخار کے آسمان پر پہنچ جائے۔ علامہ نے بجز اس خیال کے کہ جس کسی
کے گھر میں قیام کیا جائیگا باقی ماندہ لوگوں کے لئے موجب ملال ہوگا کسی کی درخواست نہ
قبول فرمائی اور ایک علیحدہ مکان لے کے قیام کیا
جب شیخ شہر بسطام میں پہونچے تو اُن دنوں امام سہلکی مشائخ صوفیۂ صافیہ کے
مقتدا اور پیشوا تھے۔ اور اُن کے صفائے باطن اور ریاضات سلوک کی دور دور شہرت
تھی۔ اور ایک دنیا اُن سے حسن ارادت رکھتی تھی اُنہوں نے جو خبر سُنی کہ شیخ ابو اسحق
بسطام میں آتے ہیں تو اور اہل شہر کے ساتھ وہ بھی استقبال کی غرض سے باہر نکلے۔
شیخ نے جو اُن کے آنے کا حال سُنا تو پا برہنہ اُن کی طرف جھپٹے۔ مگر امام سہلکی شیخ کی
صورت دیکھتے ہی گھوڑے سے اُتر پڑے اور بڑھ کے شیخ کے ہاتھ پر بوسہ دیا شیخ نے
اُسکے معاوضہ میں جھک کے امام سہلکی کے قدم چوم لئے۔ جب آکے منزل پر ٹھیرے تو امام
سہلکی کو صدر مقام پر بٹھایا اور خود ادب سے دو زانو سامنے بیٹھ گئے۔ رسم مزاج پرسی
کے بعد امام سہلکی نے کچھ گیہوں نکالے اور بطریق ضیافت شیخ ابو اسحق کے سامنے رکھ
دئے اور کہا یہ وہ گیہوں ہیں جو شیخ طریقت حضرت بایزید بسطامی نے مجھے مرحمت فرمائے
تھے۔" یہ سنکے علامۂ ممدوح نے بڑی مسرت ظاہر کی اور نہایت فخر و مباہات کے ساتھ
اُن گیہوؤں کو قبول کیا
یہاں سے روانہ ہو کے شیخ نے دار السلطنت نیشاپور کی راہ لی۔ جب سواد نیشاپور
نظر آیا تو دیکھا کہ تمام اہل نیشاپور استقبال کے لئے شہر سے نکل آئے ہیں اور لوگوں کا
اسقدر ہجوم ہے کہ نگاہ اندازہ نہیں کر سکتی۔ اسی ہجوم میں امام الحرمین نے بڑے ذوق
شوق سے بڑھ کے پہلے تو شیخ کے محفہ کا بانس اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ پھر سواری کے
آگے آگے اہتمام کرتے اور لوگوں کو ہٹاتے اور ادب کی تعلیم و تلقین کرتے شہر نیشاپور میں
داخل ہوئے۔ شیخ نے بھی اُن کی وقعت و مرتب کی بہت قدر کی اور اس مجمع عام
میں امام الحرمین کی نسبت یہ کلمات ارشاد فرمائے "یا مفید اہل المشرق والمغرب

انت الیوم امام الائمہ" یعنے اے وہ شخص جس سے اہل مشرق و مغرب کو فائدہ پہنچ رہاہے تو آج تمام اماموں کا امام ہے

سفارت میں کامیابی

الغرض یہاں شیخ سلطان ملک شاہ کے محل میں تشریف لے گئے۔ اُس نے بھی شیخ کی تعظیم و تکریم میں کوئی بات فروگذاشت نہیں کی تھی۔ نہایت اہتمام سے اُن کا استقبال کیا۔ اور نہایت ادب سے ملا۔ اور سفارت کے متعلق جوجو باتیں اور جوجو شرطیں شیخ نے پیش کیں سب کو اُس نے بلاعذر قبول کرلیا۔ ملک شاہ کے وزیر خواجہ نظام الملک جو خود بادشاہ سے زیادہ صاحب اثر تھے اور جنکو سلطان ملک شاہ "باپ" کے لفظ سے پکارا کرتا تھا وہ تو شیخ کے پہلے ہی سے معتقد تھے اُنہوں نے اور زیادہ قدر و منزلت کی۔ یہاں شیخ نے چند روز قیام کیا۔ اور اکثر خواجہ نظام الملک وزیر کی صحبت میں شریک ہوا کئے۔ جہاں امام الحرمین ابوالمعالی بھی موجود ہوتے تھے۔ اور شیخ اور ابوالمعالی میں اکثر مسائل علمیہ پر بحثیں بھی ہوئیں مگر ہر بحث میں ہمیشہ شیخ ہی غالب آئے اور امام ابوالمعالی کو سکوت کرنا پڑا۔ مورخین کہتے ہیں کہ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہئے کہ امام الحرمین علماً شیخ سے ادنے درجہ پر تھے۔ اسلئے کہ شیخ ابواسحٰق کو علم مناظرہ میں کمال حاصل تھا۔ اور اُن کی تقریر عموماً نہایت مدلل اور جامع و مانع ہوتی تھی۔ بخلاف امام الحرمین کے کہ اس امر خاص میں اُن کو زیادہ کمال نہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ علامۂ ابواسحٰق کے مقابل میں اُن کو ہمیشہ ساکت ہونا پڑا۔ بلکہ خود امام الحرمین نے نیک نیتی کے ساتھ اس امر کو علامۂ ممدوح کے سامنے ظاہر کردیا تھا۔ اگرچہ اُنہوں نے شیخ کی بزرگی کو اور حیثیت سے مانا تھا۔ ایک صحبت میں وہ کہنے لگے "میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ ان تمام مباحث اور تقریروں میں باعتبار وسعت نظر اور زیادتی علم کے آپ مجھ پر غالب نہیں آئے۔ آپ کا غلبہ صرف آپ کی پرہیزگاری کی قوت اور اصلاح باطن کی وجہ سے ہے"۔ دیکھنا چاہئے کہ اُس عہد کے علما میں کس قدر صاف باطنی اور انصاف پسندی تھی۔ باوجودیکہ امام الحرمین نے ایک ایسا جملہ کہا تھا کہ اگر ہمارے موجودہ مقتداؤں کی نسبت کہا جاتا تو اُن کی آتش غضب فوراً بھڑک اُٹھتی مگر علامۂ ابواسحٰق کے دل میں اُن کی وقعت ویسی ہی رہی جیسی

پہلے تھی۔ بلکہ کسی قدر زیادہ ہو گئی۔ کیونکہ جب چند روز کے بعد علامۂ ممدوح نیشاپور سے روانہ ہونے لگے تو اکثر اہل نیشاپور رخصت کرنے آئے تھے اور وہ ایک انبوہ عام تھا۔ جن میں امام الحرمین ابو المعالی بھی تھے۔ اُس وقت ابو اسحق نے سب لوگوں کی طرف مخاطب ہو کے اور امام ابو المعالی کی طرف اشارہ کرکے کہا "تمتعوا بہذا الامام فانہ نزہتہ ہذا الزمان" یعنی اپنے ان امام سے تم لوگ فائدہ اٹھاؤ۔ اس لئے کہ یہ اس عہد میں عیبوں سے پاک اور کمالات سے آراستہ ہیں

۶۔ حق گوئی اور انصاف پسندی

خواجہ نظام الملک اگرچہ ایک بڑی سلطنت کا وزیر بلکہ مالک تھا مگر اُس کے مزاج میں خوف خدا اس قدر تھا کہ خاص خاص قسم کے علما میں بھی کم نظر آئیگا ایک بار اُس کے دل میں خیال آیا کہ اپنی عدالت اور انصاف پسندی اور اہل ملک کو خوش رکھنے اور اپنے عہد میں ملک میں امن و امان قائم رہنے کے ثبوت میں اگر میں ایک کاغذ پر اکثر رعایا اور تمام رؤساء و امراے اور خصوصاً علما و فضلا سے دستخط کرا لوں کہ میں نے کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی تو قیامت کے روز خدا کے سامنے وہ کاغذ میرے لئے ایک عمدہ حجت ہوگا۔ اس تجویز کے بموجب اُس نے لوگوں سے دستخط کرانا شروع کیا۔ لوگوں نے بڑی عبارت آرائیاں کیں اور اُسکی تعریف و توصیف میں زیادہ الفاظ صرف کئے۔ وہ کاغذ جب علامۂ ابو اسحق کے سامنے آیا تو اُنھوں نے باوجود اُس حسن عقیدت کے جو نظام الملک کو علامہ ممدوح کے ساتھ تھا صرف یہ جملہ لکھ کے دستخط کر دیا "خیر الظلمۃ حسنٌ" یعنی حسن اور سب ظالموں میں اچھا ہے۔ حسن خواجۂ نظام الملک کا نام ہے۔ خواجہ نظام الملک کو یہ جملہ دیکھ کے نہایت رقت ہوئی۔ اور بہت گریہ وزاری کرکے کہنے لگا "اس بارے میں ابو اسحق سے بڑھ کے کسی نے راستبازی سے نہیں کام لیا۔" کہتے ہیں نظام الملک کے مرنے کے بعد کسی نے اُسے خواب میں دیکھا اور پوچھا "پروردگار عالم نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا" اُس نے جواب دیا "صرف اس ایک کلمہ کی وجہ سے جو ابو اسحق نے میرے بارے میں لکھا تھا خداوند تعالےٰ نے مجھے بخشدیا

درحقیقت شیخ ابواسحق میں انصاف پسندی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ خود اپنی وقعت کے خیال سے بھی کنارہ کر لیا تھا چنانچہ مشہور ہے کہ ایک بار لوگوں نے ایک استفتا اُن کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے اُس وقت جو خیال میں آیا لکھ دیا۔ اتفاقاً وہ استفتا مع جواب کے امام ابو نصر بن صباغ کی نظر سے گذرا۔ اُن کو علامۂ ممدوح کی ہمسری کا دعوےٰ تھا۔ اور واقعی تھے بھی وہ اسی پائے کے بزرگ۔ ابن صباغ نے دیکھتے ہی صاحب فتوے سے کہا کہ اس کاغذ کو ابواسحق کے پاس پھر لے جاؤ اور کہو کہ اس پر نظر ثانی کیجئے۔ علامۂ ابواسحق نے دیکھا تو حقیقت میں وہ فتوے غلط تھا اپنے فتوے کو درست کیا اور اُس کے نیچے یہ جملہ لکھ دیا "الحق ما قالہ الشیخ ابن صباغ و ابواسحق مخطی" یعنی جو ابن صبّاغ نے لکھا وہ صحیح ہے اور ابواسحق غلطی پر ہے

۷۔ دنیاوی حالت

باوجود ان سب باتوں کے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کی زندگی زیادہ تر احتیاج اور افلاس میں گذری اور اگر یہ غلط ہو تب بھی اتنا ضرور ہے کہ اُن کو کبھی اطمینان اور دنیاوی مرفہ الحالی نہیں نصیب ہوئی۔ ابن جوزی نے اپنی تاریخ منتظم میں تعجب اور حیرت کے ساتھ لکھا ہے کہ شیخ ابواسحق کو باوجود اس مقبولیت عامہ اور اس قدر و منزلت کے شرف حج سے بہرہ یاب ہونے کی عزت نہ حاصل ہوئی کبھی اتنا روپیہ نہ فراہم ہُوا کہ حج کا قصد کر سکتے۔ محمد بن سعد کہتے ہیں کہ قاضی محمد بن محمد فرماتے تھے "اماماں ما اتفق لہما الحج۔ الشیخ ابواسحق الشیرازی و قاضی ابوعبد اللہ الدامغانی اما ابواسحق فکان فقیراً و لو اراد وہ لحمل علی الاعناق۔ و اما الدامغانی فلو اراد الحج علی السندس والاستبرق لا مکنہ" یعنی دو اماموں کو حج کی نوبت نہ آئی شیخ ابواسحق شیرازی اور قاضی ابوعبداللہ دامغانی ان میں سے ابواسحق محتاج تھے۔ اور اگر چاہتے تو لوگوں کے کندھوں ہی کندھوں مکّہ معظمہ جاتے لیکن قاضی ابوعبداللہ کو خدا نے اتنی دولت و ثروت دی تھی کہ اگر وہ قصد کرتے تو ممکن تھا کہ اُن کے مکان سے ارض حجاز تک سندس اور استبرق

(حریر و مخمل) کا فرش بچھ جاتا

۸۔ شعر گوئی

علامہ ممدوح کبھی کبھی نظم بھی فرماتے تھے۔ مگر اُن کی شاعری اُسی شان کو لئے ہوئے تھی جو ایک مقتدا اور عالم کے شایان ہے۔ دنیا میں دوستوں کے نہ ملنے کا خیال ان دو شعروں میں نہایت خوش اسلوبی سے ظاہر کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

"سُئلت الناس عن خلٍ وفیٍ   فقالوا ما الی ہذا سبیل
تمسک ان ظفرت بذیل حُرٍ   فان الحُر فی الدنیا قلیل"

یعنی میں نے لوگوں سے وفادار دوست کے بارے میں سوال کیا تو کہنے لگے دنیا میں نہیں مل سکتا۔ اگر کوئی جوانمرد مل جائے تو اُس کا دامن نہ چھوڑنا اسلئے کہ جوانمرد دنیا میں تھوڑے ہی ہیں

۹۔ وفات

دنیا ایسی بے وفا چیز ہے کہ کسی کی قدر نہیں کرتی۔ آخر اُس نے علامۂ ابو اسحٰق کے سے گرانمایہ مقتدائے عصر کو بھی رخصت ہی کر دیا۔ افسوس۔ اے دنیا تجھے اُنکے ساتھ بے وفائی نہ کرنا چاہئے تھا۔ اگر تیرا کام اُن سے نکل گیا تھا تو تونے ہم سے معتقدوں اور مشتاقوں کے لئے ہی اُن کو لگا رکھا ہوتا۔ الغرض دنیا نے جیسا بے وفائی کا کھیل ہر شخص کے ساتھ کھیلا ہے۔ ویسا ہی اُن بزرگ کے ساتھ بھی کھیلا۔ ۲۱۔ جمادی الاول ۴۷۶ھ میں چہارشنبہ کی رات کو علامۂ ابو اسحٰق نے سفر آخرت کیا۔ ابو المظفر بن رئیس الرؤسا کے مکان میں غالباً شیخ سکونت پذیر تھے جو شرقی بغداد میں تھا۔ کیونکہ اُسی مکان میں انتقال ہُوا۔ اور ابو الوفا بن عقیل نے جو اس عہد کے مشہور علما میں تھے شیخ کی تجہیز و تکفین کی اور خود ہی نہلایا۔ اُن کے جنازے کی نماز میں خود خلیفۂ وقت مقتدی بامر اللہ بھی شریک تھا۔ اُن کے جنازے پر دو بار نماز پڑھی گئی۔ پہلے باب الفردوس میں۔ پھر دوبارہ جامع قصر میں۔ دو بار نماز ہونے کی یہ وجہ ہوئی کہ جب پہلے نماز پڑھی گئی ہے۔ اُس وقت بغداد کے نامور اور سر برآوردہ لوگوں میں سے اکثر لوگ نہیں موجود تھے۔